AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

Gift (Hibah) and Endowment (Waqf): An Analytical Study in the Light of the Opinions of the Four Jurisprudential Schools

ہبہ اور وقف: عصری مباحث کا فقہائے اربعہ کی آراء کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Hafiz Abdul Wahed Tahir
hafizabdulwahed@gmail.com
Phd Scholar, Department of Islamic, The Islamia University of Bahawalpur
Muhammad Bilal
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies university of Education
Dr. Muhammad Imran
Associate professor, Department of Islamic, The Islamia University of Bahawalpur

Abstract

This study explores the contemporary applications of waqf in light of classical juristic debates. It examines divergent opinions of the jurists on perpetuity, temporary waqf, and the permissibility of cash endowments. Modern extensions such as corporate waqf, shares, and intellectual property are analyzed within the framework of Islamic legal principles. The research highlights the adaptability of waqf to address global humanitarian, environmental, and developmental needs. It concludes that classical jurisprudence provides a dynamic foundation for innovative waqf models in the modern economy.

Keywords: Hiba, Waqf, Fiqh, Cash Waqf, Corporate Waqf, Shares & Stocks, Organ Donation, Islamic Finance.

تمہید

اسلامی معاشرت کی بنیاد باہمی محبت، ایثار اور رضائے الٰہی کے حصول پر قائم ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے عقدِ ہبہ (عطیہ) اور وقف (دائمی صدقہ) دو کلیدی اور بابرکت ادارے ہیں۔ ہبہ فوری طور پر ملکیت منتقل کر کے رشتوں میں مٹھاس گھولتا ہے، جبکہ وقف اپنے دائمی منافع کے ذریعے نسل در نسل معاشرے کی فلاح و بہبود کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم کرتا ہے۔ آئمہ اربعہ 'امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ' کا فقہی ورثہ ان عقود کے لیے ایک ایسا مضبوط قانونی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے جس کا محور عموماً زمین، مکانات اور دیگر مادی اثاثے تھے۔

تاہم، اکیسویں صدی کے معاشی اور تکنیکی انقلابات نے ملکیت اور اثاثوں کے تصورات کو یکسر بدل دیا ہے۔ آج ہمارے سامنے ڈیجیٹل گفٹ کارڈز، کمپنی کے حصص(Shares) ، حقوقِ دانش(Intellectual Property) ، نقدی وقف(Cash Waqf) ، اور انسانی اعضاء کے عطیہ جیسے پیچیدہ اور نئے مسائل ہیں، جن کا کلاسیکی فقہی ادوار میں تصور بھی ممکن نہ تھا۔ ان جدید صورتوں نے یہ اہم علمی سوال پیدا کیا ہے کہ کیا ہبہ اور وقف کے وہ روایتی اصول، بالخصوص "قبضہ" کی شرط اور وقف کے "دائمی" ہونے کا تصور، ان نئ شکلوں پر اسی طرح منطبق ہو سکتے ہیں؟

اسی تحقیقی ضرورت کے پیشِ نظر، اس مضمون کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ائمہ اربعہ کا فقہی ورثہ کوئی جامد تاریخی دستاویز نہیں، بلکہ ایک زندہ، متحرک اور لچکدار قانونی ڈھانچہ ہے جو ہر دور کے چیلنجز کا سامنا کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں ہم پہلے ہبہ اور وقف کے ان منتخب فقہی اصولوں کا موضوعاتی تقابلی جائزہ لیں گے جو جدید مسائل سے براہِ راست متعلق ہیں۔

بحث اول: ہبہ کے فقہی اصول اور عصری اطلاقات

ہبہ کی لغوی تعریف

لفظ "ہبہ" عربی مصدر "وَهَبَ" سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی بغیر کسی عوض کے کوئی چیز عطا کرنا، بخشش کرنا یا تحفے میں دینا ہے۔ اس کی بنیاد تبرع اور احسان پر قائم ہے۔ جیسا کہ المیدانی الحنفی لکھتے ہیں: "ہبہ لغت میں اس عطیے کو کہتے ہیں جو نفع بخش ہو، اور محض تبرع اور احسان کے طور پر دیا جائے، مطلق طور پر۔"[1] یہ لغوی مفہوم اس عمل کی اسپرٹ کو واضح کرتا ہے کہ اس کا مقصد محض خیر خواہی ہے، کوئی دنیاوی فائدہ نہیں۔ یعنی لفظ ہبہ لغتِ عرب میں کسی شے کو خوش دلی اور تبرعاً بغیر کسی معاوضے کے دوسرے کو دے دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ مختلف صرفی شکلوں میں آتا ہے، جیسے ہبۃ، موہبۃ، موہب، وہباً وغیرہ، لیکن سب کا مرکزی مفہوم عطیہ، بخشش اور احسان کے گرد گھومتا ہے۔ اس لغوی بنیاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ محض ایک مالی تصرف نہیں بلکہ ایک اخلاقی جذبہ اور خیر خواہی کا مظہر بھی ہے۔

ہبہ کی اصطلاحی تعریف: فقہاء اربعہ کا تقابلی جائزہ

تمام فقہائے کرام ہبہ کو "تملیک بلا عوض" (بغیر معاوضے کے مالک بنانا) کے بنیادی مفہوم میں متفق ہیں، تاہم ان کی تعریفات میں لطیف فرق ان کے فقہی منہج کی عکاسی کرتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک:

احناف کے نزدیک ہبہ "بغیر کسی عوض کے کسی چیز کی ملکیت دینا" ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

أَمَّا تَفْسِيرُهَا شَرْعًا فَهِيَ تَمْلِيكُ عَيْنٍ بِلَا عِوَضٍ۔([2])

"جہاں تک اس کی شرعی تعریف کا تعلق ہے، تو وہ ہے بغیر کسی عوض کے کسی چیز کی ملکیت دینا۔"

یہاں زور "عین" یعنی مادی شے کی ملکیت پر ہے۔

شوافع کے نزدیک:

شوافع کے ہاں ایک جامع تعریف "تَمْلِيكُ تَطَوُّعٍ فِي حَيَاةٍ" (زندگی میں رضاکارانہ طور پر مالک بنانا) ہے۔[3] اس میں "في حياة" (زندگی میں) کی قید اسے وصیت سے اور "تطوع" (رضاکارانہ) کی قید اسے واجب الادا معاملات سے ممتاز کرتی ہے۔

مالکیہ وحنابلہ:

مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بھی ہبہ کا مفہوم "بلا عوض مالک بنانا" ہے، جو اس کی خالص عطیہ کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔[4]،[5]

تمام تعریفات کا مشترکہ نکتہ یہ ہے کہ ہبہ ایک رضاکارانہ، بلا معاوضہ اور زندگی میں کیا جانے والا عقدِ تملیک ہے۔ یہ تعریفات جدید دور کے ان تمام عطیات کا احاطہ کرتی ہیں جن کا مقصد محض احسان ہو، نہ کہ کوئی تجارتی فائدہ۔

ہبہ کا شرعی حکم:

تمام آئمہ اربعہ کے نزدیک ہبہ ایک مشروع (جائز) اور مستحب (پسندیدہ) عمل ہے، جس کی بنیاد قرآن و سنت کی تعلیمات ہیں۔ تاہم، اس کے "لزوم "یعنی عقد کے ناقابلِ واپسی ہونے کے وقت پر ان کے درمیان نمایاں فرق پایا جاتا ہے:

احناف اور شوافع:

ان کے نزدیک ہبہ کا عقد قبضہ سے پہلے تک غیر لازم ہوتا ہے۔یعنی جب تک موہوب لہ (لینے والا) چیز پر قبضہ نہ کر لے، واہب (دینے والا) اپنے عطیے سے رجوع کر سکتا ہے۔ قبضہ ہو جانے کے بعد ہی یہ عقد لازم ہوتا ہے۔[6]،[7]

مالکیہ:

مالکیہ کا مؤقف منفرد ہے۔ ان کے نزدیک ہبہ کا عقد محض "ایجاب و قبول "سے ہی لازم ہو جاتا ہے۔ قبولیت کے بعد واہب پر عطیہ حوالے کرنا واجب ہے اور اگر وہ انکار کرے تو اسے عدالت کے ذریعے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں قبضہ عقد کی تکمیل کی شرط ہے، اس کے لازم ہونے کی نہیں۔[8]

حنابلہ:

حنابلہ کے نزدیک بھی قبضہ کے بغیر ملکیت منتقل نہیں ہوتی، لیکن وہ رجوع کے معاملے میں سب سے سخت ہیں۔ ان کے مطابق قبولیت کے بعد واہب کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ چونکہ قبضہ ان کے ہاں "رکن" ہے، اس لیے قبضے کے ساتھ ہی عقد مکمل اور ناقابلِ واپسی ہو جاتا ہے۔[9]

تجزیہ:

ہبہ کے حکم میں اصل اختلاف اس بات پر ہے کہ قانونی ذمہ داری کب پیدا ہوتی ہے؟ جمہور کے نزدیک یہ "عملی حوالگی" پر ہوتی ہے، جبکہ مالکیہ کے نزدیک یہ "زبانی معاہدے" پر ہی قائم ہو جاتی ہے۔

ہبہ میں قبضہ کی شرعی حیثیت

قرآن و سنت میں ہبہ کو ایثار، محبت اور صلہ رحمی کے فروغ کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء کے درمیان اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ ہبہ کب شرعاً مکمل اور لازم ہوتا ہے؟ آیا محض ایجاب و قبول سے یا پھر قبضے کے بعد؟ اس بنیادی سوال نے ائمہ اربعہ کے مابین مختلف فقہی آراء کو جنم دیا، جن کے عملی اثرات نہ صرف کلاسیکی دور کے معاملات میں نمایاں ہیں بلکہ عصرِ حاضر کے جدید مالیاتی و ڈیجیٹل لین دین پر بھی براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ وامام شافعیؒ کا موقف:

ان حضرات کے نزدیک قبضہ ہبہ کی صحت اور لزوم کے لیے شرط ہے۔ ان کے نزدیک ہبہ قبضے کے بغیر نہ تو مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی ناقابلِ واپسی بنتا ہے۔[10]

امام مالکؒ کا مؤقف:

امام مالک کا موقف منفرد ہے۔ ان کے نزدیک ہبہ محض ایجاب و قبول سے ہی لازم ہو جاتا ہے۔ قبضہ عقد کی "تکمیل (تمام) کی شرط" ہے، "صحت کی شرط" نہیں۔[11]

امام احمد بن حنبلؒ کا مؤقف:

امام احمد بن حنبلؒ کا مؤقف سب سے سخت ہے۔ ان کے نزدیک قبضہ محض شرط نہیں، بلکہ ہبہ کا ایک بنیادی "رکن" ہے، جس کے بغیر عقد کا شرعی وجود ہی عمل میں نہیں آتا۔[12]

قبضے پر یہ اصولی اختلاف محض نظریاتی نہیں بلکہ اس کے گہرے عملی اثرات ہیں۔ جمہور فقہاء کا مؤقف واہب (دینے والے) کو زیادہ تحفظ اور لچک فراہم کرتا ہے کہ وہ حوالگی سے پہلے اپنا ارادہ بدل سکے۔ اس کے برعکس، امام مالکؒ کا اصول موہوب لہ (لینے والے) کے حق کو زبردست قانونی تحفظ دیتا ہے اور زبانی وعدوں کو بھی ایک قابلِ نفاذ معاہدے کی حیثیت عطا کرتا ہے۔ یہ فقہی تنوع جدید ڈیجیٹل اور آن لائن لین دین کے لیے مختلف ماڈل فراہم کرتا ہے۔

ہبہ ُمشاع (مشترکہ غیر منقسم جائیداد کا ہبہ)

فقہ ِ اسلامی میں مشاع جائیداد (یعنی وہ مال یا جائیداد جو ایک سے زیادہ افراد کی مشترکہ ملکیت ہو اور ابھی تقسیم نہ کی گئی ہو) کے تصرفات ہمیشہ سے فقہاء کی بحث کا مرکز رہے ہیں۔ خصوصاً ہبہ جیسے تملیکی عقود میں اس سوال نے اہمیت اختیار کی کہ آیا ایسی جائیداد جس میں ہر شریک کا حصہ علیحدہ متعین نہ ہو، اس کا ہبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس اختلاف نے ایک طرف قبضے کی تعریف اور اس کے شرعی تقاضوں کو واضح کیا، اور دوسری طرف اسلامی فقہ کی وسعت اور عملی لچک کو بھی نمایاں کیا، جو بدلتے ہوئے معاشی حالات کے ساتھ ہم آہنگ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا موقف:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قابلِ تقسیم مشترکہ جائیداد کا ہبہ تقسیم سے پہلے جائز نہیں، کیونکہ اس میں کامل قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔[13]

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ

صاحبین (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) اور ائمہ ثلاثہ (مالک، شافعی، احمد) کے نزدیک مشاع چیز کا ہبہ مطلقاً جائز ہے۔[14]

یہ اختلاف جدید کارپوریٹ اور مالیاتی دنیا کے لیے انتہائی اہم ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مؤقف اگرچہ قبضے کی تکمیل میں انتہائی احتیاط پر مبنی ہے، لیکن جدید معاشی نظام میں جہاں ملکیت اکثر غیر منقسم حصص (Shares) یا مشترکہ اثاثوں کی شکل میں ہوتی ہے، وہاں جمہور کا مؤقف ہی قابلِ عمل اور زیادہ وسیع ہے۔ آج کے دور میں فتویٰ اور عمل صاحبین اور جمہور کے قول پر ہی ہے، جو اسلامی فقہ کی عملیت پسندی کا ثبوت ہے۔

ہبہ کے عصری مباحث: ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈیجیٹل اور جدید مالیاتی اثاثوں کا ہبہ:

آج کے ڈیجیٹل دور میں تحائف کی نوعیت بھی بدل گئی ہے۔ اب لوگ ایک دوسرے کو آن لائن گفٹ کارڈز، سافٹ ویئر لائسنس، کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن)، یا آن لائن سروسز (مثلاً نیٹ فلکس) کی سبسکرپشن تحفے میں دیتے ہیں۔ چونکہ یہ اشیاء غیر مادی ہیں، اس لیے ان کے ہبہ کے حوالے سے سب سے بنیادی فقہی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں قبضہ کی تکمیل کیسے ہو گی، جو کہ فقہاء کے نزدیک ہبہ کے لازم ہونے کی ایک کلیدی شرط ہے۔ چنانچہ ان تمام صورتوں کا شرعی جواز "قبضہ" اور "مشاع" کے فقہی اصولوں پر منحصر ہے۔

آن لائن تحائف اور قبضہ:

فقہ کا اصول "القبض فی کل شیء بحسبہ" [15] یہاں کلیدی ہے۔ ڈیجیٹل اثاثوں کا قبضہ ان پر "مکمل تصرف کا اختیار" مل جانا ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک، ہبہ اس وقت مکمل اور ناقابلِ واپسی ہو گا جب رقم وصول کنندہ کے اکاؤنٹ میں آجائے یا گفٹ کوڈ اس کے کنٹرول میں آجائے۔ اس کے برعکس، مالکی اصول کے تحت، قبولیت کا پیغام ملتے ہی دینے والے پر ادائیگی واجب ہو جائے گی۔ یہ اصول جدید ای-کامرس اور ڈیجیٹل وعدوں کو قانونی طور پر پابند بنانے کے لیے ایک مضبوط فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

حصص (شیئرز) اور مشاع:

شیئرز کا ہبہ "ہبہ مُشاع" ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے اصل قول کے مطابق یہ جائز نہیں، لیکن صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک یہ جائز ہے۔ جدید کارپوریٹ عطیات اور اسٹیٹ پلاننگ میں آسانی کے لیے جمہور کا قول ہی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ شیئرز کی قانونی منتقلی ہی شرعی "قبضہ" کے قائم مقام ہو گی۔

قانونی رجسٹریشن بمقابلہ عملی قبضہ:

ایک شخص کسی کے نام مکان کی قانونی رجسٹری کروا دیتا ہے لیکن عملی طور پر قبضہ نہیں دیتا۔ کیا یہ ہبہ مکمل ہوا؟

یہ مسئلہ جدید عرف اور شرعی "قبضہ" کے تصور کے درمیان کشمکش کو ظاہر کرتا ہے۔ کلاسیکی اصول کے مطابق جمہور فقہاء کے نزدیک چونکہ عملی قبضہ (تخلیہ) نہیں ہوا، اس لیے ہبہ مکمل نہیں۔ تاہم، آج کے عرف میں جائیداد کی ملکیت کا حتمی ثبوت "رجسٹریشن" ہی ہے۔ لہٰذا، جدید اجتہاد کا تقاضا یہ ہے کہ رجسٹریشن کو قبضہ حکمی تسلیم کیا جائے۔ اس مسئلے کا حتمی فیصلہ ہر کیس کے مخصوص حالات اور نیت کے قرائن پر منحصر ہو گا۔

انسانی اعضاء کا عطیہ: ہبہ یا ایثار؟

یہ عصرِ حاضر کے حساس ترین مسائل میں سے ہے، جس میں خون کا عطیہ دینا، زندگی میں اپنا ایک گردہ یا جگر کا حصہ ہبہ کرنا، یا مرنے کے بعد اپنے اعضاء ہبہ کرنے کی وصیت کرنا شامل ہے۔ تو کیا انسانی اعضاء (گردہ، جگر) یا خون کا عطیہ شرعاً ہبہ ہے؟ لہٰذا سوال یہ ہے کیا انسانی جسم اور اس کے اعضاء "ہبہ" کا محل بن سکتے ہیں؟ اس کا تجزیہ فقہاء اربعہ کی طرف سے بیان کردہ "موہوب" (ہبہ کی جانے والی شے) کی شرائط کی روشنی میں کیا جائے گا۔

موہوب (Gifted Item) کی شرائط:

فقہاء کے نزدیک موہوب کا مال یا مملوک (ملکیت میں ہونا) ضروری ہے۔ حنفی تعریف میں "تملیکِ عین" ([16])، شافعی تعریف میں "تملیک المال" ([17])، اور مالکی تعریف میں "تملیک ذی منفعة" ([18]) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اتفاقی اصول:

چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ انسان آزاد ہے اور قابلِ خرید و فروخت "مال" نہیں ہے۔ اسلام نے انسانی تکریم "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" ([19]) کا جو تصور دیا ہے، اس کی رو سے انسانی جان اور اعضاء کو مال کی طرح خریدا یا بیچا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا، اعضاء کی تجارت بالاتفاق حرام ہے۔

ہبہ بطور عطیہ اور احسان:

یہاں ہبہ کا لفظ اس کے تکنیکی فقہی معنی (مال کی ملکیت منتقل کرنا) میں نہیں، بلکہ اس کے وسیع تر اخلاقی مفہوم، یعنی تبرع و احسان (بلا غرض عطیہ اور نیکی) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ مسئلہ شرعی ہبہ کے تکنیکی دائرے میں نہیں آتا، کیونکہ چاروں ائمہ کے نزدیک ہبہ صرف "مال" کا ہو سکتا ہے، اور انسانی اعضاء بالاتفاق "مال" نہیں ہیں اور ان کی خرید و فروخت حرام ہے۔[20] اس کا جواز ہبہ کے اصولوں سے نہیں، بلکہ اسلامی قانون کے اعلیٰ ترین مقاصد (مقاصد الشریعۃ)، بالخصوص "حفظِ نفس" (جان کی حفاظت) کے اصول سے نکالا جاتا ہے۔ یہ عمل ہبہ نہیں، بلکہ ایثار کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جس کا جواز سخت شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

ہبہ سے رجوع اور جدید خاندانی مسائل:

طلاق کے وقت میاں بیوی کا ایک دوسرے کو دیے گئے تحائف واپس مانگنا۔

یہ اسلامی فقہ کے استحکام کی بہترین مثال ہے۔ چاروں فقہی مکاتب مختلف اصولی راستوں سے ایک ہی متفقہ نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان دیے گئے تحائف ناقابلِ واپسی ہیں۔ احناف کے نزدیک "زوجیت" رجوع سے مانع ہے،[21] جبکہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قبضے کے بعد رجوع ویسے ہی جائز نہیں۔ یہ متفقہ اصول ازدواجی تحائف کو مضبوط شرعی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

قانونی اداروں کو ہبہ اور کاروباری تحائف

کیا غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کو ہبہ کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا کمپنیوں کی طرف سے دیے جانے والے "تحائف" شرعاً ہبہ ہیں؟

اداروں کو ہبہ:

جدید فقہ میں اداروں کو "شخصیتِ حکمیہ (Legal Person)" تسلیم کیا گیا ہے، لہٰذا ان کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ ادارے کا سربراہ یا متولی اس کی طرف سے قبول اور قبضہ کا ذمہ دار ہو گا۔

کاروباری تحائف:

یہ شرعاً ہبہ نہیں ہیں کیونکہ ان کا مقصد "تبرع" اور احسان نہیں، بلکہ تجارتی فائدہ اور تشہیر ہوتا ہے۔ یہ ایک تجارتی ترغیب (Incentive) ہے اور اس پر تجارتی معاملات کے احکام لاگو ہوں گے، نہ کہ ہبہ کے۔

بحث ثانی وقف: فقہی اصول اور عصری اطلاقات

وقف کی لغوی تعریف:

وقف کا لغوی معنی "الحبس" یعنی روک دینا یا ٹھہرا دینا ہے۔[22] یہ کسی چیز کو آزادانہ تصرف سے روک کر کسی خاص مقصد کے لیے مخصوص کر دینے کا مفہوم رکھتا ہے۔

وقف کی اصطلاحی تعریف:

احناف:

ان کے نزدیک وقف "اصل چیز کو واقف کی ملکیت پر روک کر اس کے منافع کو صدقہ کر دینا" ہے۔[23] اس تعریف کی رو سے ملکیت واقف کے پاس ہی رہتی ہے۔

شوافع و حنابلہؒ:

ان حضرات کی مشہور تعریف "تحبيس الأصل، وتسبيل الثمرة" (اصل کو روک دینا اور اس کے ثمرات کو جاری کر دینا) ہے، جو وقف کی دائمی نوعیت پر زور دیتی ہے۔[24]

مالکیہ:

مالکیہ کے نزدیک وقف "کسی چیز کی منفعت کو، اس کی موجودگی کی مدت تک دینا" ہے۔[25]

یہ تعریفات وقف کی قانونی نوعیت پر گہرے اختلاف کو ظاہر کرتی ہیں۔ حنفی تعریف واقف کو زیادہ کنٹرول دیتی ہے، جبکہ دیگر ائمہ کی تعریفات وقف کو واقف کی ملکیت سے مکمل طور پر خارج کر دیتی ہیں۔ مالکی تعریف "عارضی وقف" کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔

وقف کا شرعی حکم:

تمام ائمہ کے نزدیک وقف ایک جائز، مستحب اور عظیم صدقہ جاریہ ہے۔ اس کے "لزوم "(ناقابلِ واپسی ہونے) کے حوالے سے درج ذیل کلیدی اختلافات ہیں:

احناف اور شوافع:

ان حضرات کے نزدیک وقف محض واقف کے اعلان کر دینے سے لازم نہیں ہوتا۔ اسے ناقابلِ واپسی بنانے کے لیے دو میں سے ایک چیز ضروری ہے:

1. حاکم (قاضی) کا فیصلہ: عدالت اس وقف کو قانونی طور پر نافذ کر دے۔
2. موت سے معلق کرنا: واقف اسے وصیت کی شکل میں اپنی موت کے بعد نافذ کرے۔[26]، [27]

مالکیہ:

مالکیہ کے نزدیک وقف کے لزوم کے لیے "قبضہ "(الحوز) ایک کڑی شرط ہے۔ جب تک موقوف علیہ (مستحق) یا متولی وقف شدہ جائیداد پر قبضہ نہ کرلے، وقف لازم نہیں ہوتا۔[28]

حنابلہ:

حنابلہ کا مؤقف سب سے واضح اور سخت ہے۔ ان کے نزدیک وقف محض صریح الفاظ پر مشتمل "صیغہ "(زبانی اعلان) سے ہی فوراً لازم اور ناقابلِ واپسی ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے نہ قاضی کے حکم کی ضرورت ہے اور نہ ہی قبولیت کی۔[29]

خلاصہ یہ کہ وقف کے لزوم میں اختلاف کا محور وہ" قانونی عمل" ہے جو واقف کی ملکیت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرتا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک یہ خود واقف کا اعلان ہے، مالکیہ کے نزدیک مستحق کا قبضہ، جبکہ احناف وشوافع کے نزدیک یہ ریاست (عدالت) کی توثیق ہے

وقف کا دائمی (التأبید) بمقابلہ عارضی ہونا

وقف اسلامی تہذیب کا ایک عظیم ادارہ ہے جو صدیوں تک علمی، سماجی اور فلاحی سرگرمیوں کی بنیاد بنتا رہا ہے۔ فقہاء نے وقف کے قیام اور بقا کے اصولوں پر تفصیلی مباحث کی ہیں، جن میں سب سے اہم سوال یہ رہا کہ آیا وقف ہمیشہ کے لیے ہونا ضروری ہے یا وقتی اور عارضی طور پر بھی اس کا انعقاد درست ہے؟ اس نکتے پر ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جس نے وقف کے عملی ڈھانچے اور سماجی کردار پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

جمہور فقہاء:

جمہور فقہاء کے نزدیک وقف کے صحیح ہونے کے لیے "تأبید "یعنی اس کا ہمیشہ کے لیے ہونا ایک بنیادی شرط ہے۔[30]

امام مالکؒ:

امام مالکؒ کا منفرد موقف ہے کہ "وقف موقت" (عارضی وقف) بھی جائز ہے۔[31]

یہ اختلاف جدید فلاحی منصوبوں کے لیے دور رس نتائج کا حامل ہے۔ جمہور کا موقف وقف کو ایک دائمی ادارے کے طور پر قائم کرتا ہے۔ اس کے برعکس، امام مالکؒ کا انقلابی تصور short-term, project-based social financing کے لیے ایک بہترین شرعی ماڈل فراہم کرتا ہے۔

استبدالِ وقف (وقف کے اثاثے کو تبدیل کرنا)

احناف کا موقف:

احناف کا موقف سب سے زیادہ لچکدار ہے۔ ان کے نزدیک اگر وقف کی جائیداد ناکارہ ہو جائے، تو قاضی کی اجازت سے اسے فروخت کر کے بہتر جائیداد خریدی جاسکتی ہے۔[32]

دیگر ائمہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد):

یہ حضرات اس معاملے میں بہت سخت ہیں اور صرف انتہائی مجبوری میں اس کی اجازت دیتے ہیں۔

حنفی فقہ کا لچکدار موقف اوقاف کو منجمد اور بے کار ہونے سے بچاتا ہے اور انہیں "dynamic asset management" کے جدید اصولوں کے مطابق چلانے کی اجازت دیتا ہے۔

وقف کے عصری مباحث: ایک تجزیاتی مطالعہ

وقف اسلامی تہذیب کا ایسا لچکدار اور ہمہ گیر ادارہ ہے جس نے تاریخ کے ہر دور میں معاشی و سماجی ضروریات کے مطابق اپنے دائرۂ عمل کو وسعت دی ہے۔ کلاسیکی فقہاء نے وقف کی صحت اور مقاصد کے اصول متعین کیے، لیکن ان کی تعبیر و تطبیق ہمیشہ وقت کے حالات اور عرف کے ساتھ ہم آہنگ رہی۔ عصرِ حاضر میں جب معیشت کی بنیاد نقد سرمایہ، کمپنیوں کے حصص اور حقوقِ دانش پر استوار ہے تو یہ سوال ناگزیر ہو گیا ہے کہ کیا ان نئی مالیاتی و فکری صورتوں کو وقف کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح، سرمایہ کاری، کارپوریٹ ڈھانچے اور بین الاقوامی فلاحی سرگرمیوں نے وقف کے دائرے کو مزید وسعت دینے کی راہیں کھول دی ہیں۔ یوں وقف اب صرف روایتی دینی یا فلاحی کاموں تک محدود نہیں رہا بلکہ غربت کے خاتمے، ماحولیاتی تحفظ اور پائیدار ترقی جیسے عالمی مقاصد کی تکمیل میں بھی کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

کیش وقف، حصص اور حقوقِ دانش کا وقف

کیا نقد رقم (کیش)، کمپنیوں کے حصص (شیئرز) اور حقوقِ دانش (Copyrights) کو وقف کیا جا سکتا ہے؟

حنفی فقیہ امام زفرؒ کے قول کی بنیاد پر "کیش وقف" کا جواز آج مسلم ہے۔ یہ غربت کے خاتمے اور مائیکرو فنانس کے لیے ایک انقلابی ذریعہ ہے۔ اسی طرح، جمہور فقہاء کے نزدیک مشاع کا وقف جائز ہے، اس لیے حصص کا وقف بھی جائز ہے۔ جدید عرف میں حقوقِ دانش کو "مال" تسلیم کیا جاتا ہے، لہٰذا ان کا وقف بھی درست ہے۔

وقف کا جدید انتظام، سرمایہ کاری اور کارپوریٹ وقف

کیا وقف کے فنڈز کو اسٹاک مارکیٹ میں لگانا جائز ہے؟ اور کیا ایک کمپنی وقف کر سکتی ہے؟

جدید فقہ میں کمپنیوں اور اداروں کو "شخصیتِ حکمیہ (Legal Person) " تسلیم کیا گیا ہے۔ جس طرح ایک کمپنی اپنے نام پر جائیداد خرید سکتی ہے، اسی طرح وہ اپنی ملکیت میں موجود اثاثے وقف بھی کر سکتی ہے۔ اس کا فیصلہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرز کرے گا جو اس کے نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے۔ چاروں فقہی مکاتب کے اصولوں کے تحت یہ جائز ہو گا کیونکہ "واقف" کا اہل ہونا شرط ہے([33]) اور شخصیتِ حکمیہ قانوناً اہل ہے۔([34])

جدید قانونی ڈھانچے:

وقف کو ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کے طور پر رجسٹر کروانا اس کے انتظام کو شفاف بنانے اور قانونی تحفظ فراہم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ یہ صرف وقف کو منظم کرنے کا ایک انتظامی طریقہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کا آئین (Deed) اسلامی وقف کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ مثلاً، وقف کی جائیداد کی فروخت پر پابندی، منافع کا متعین خیراتی مقاصد پر خرچ، اور متولی کی ذمہ داریاں واضح طور پر اسلامی شریعت کے مطابق ہونی چاہییں۔

الغرض ایک کارپوریشن کا اپنے اثاثے وقف کرنا جائز ہے کیونکہ اسے "شخصیتِ حکمیہ" کا درجہ حاصل ہے۔ وقف کو جدید قانونی ڈھانچوں جیسے ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کی شکل میں رجسٹر کروانا بھی جائز اور مستحسن ہے، بشرطیکہ اس ادارے کے قوانین وقف کے بنیادی شرعی اصولوں (مثلاً دائمی ہونا، منافع کا صحیح مصرف) کے تابع ہوں۔

وقف اور عالمی انسانی امداد و ماحولیاتی تحفظ

کیا وقف کے مقاصد کو عالمی انسانی امداد، ماحولیاتی تحفظ، سائنسی تحقیق، اور پائیدار ترقی تک وسیع کیا جا سکتا ہے؟

چاروں ائمہ کے نزدیک وقف کا مقصد "قربت" (نیکی) ہونا چاہیے۔[35] "قربت" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر وہ کام جو انسانیت کے لیے مفید ہو، وہ نیکی ہے۔ لہٰذا، عالمی انسانی بحرانوں میں مدد کرنا، ماحولیاتی تحفظ اور سائنسی تحقیق جیسے مقاصد کے لیے وقف قائم کرنا اسلامی فقہ کی روح کے عین مطابق ہے۔ مالکیہ کا "عارضی وقف" کا تصور کسی خاص بحران سے نمٹنے کے لیے محدود مدت کا وقف قائم کرنے کی بہترین بنیاد فراہم کرتا ہے۔

خلاصہ:

اس تحقیق میں اسلامی فقہ کے اصولوں کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے معاصر مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ وقف کے دائرہ کار کا مطالعہ کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ جمہور کے نزدیک اس کے لیے تأبید (دائمی ہونا) شرط ہے، جبکہ امام مالکؒ کا عارضی وقف کا تصور جدید فلاحی منصوبوں کے لیے ایک نئی جہت فراہم کرتا ہے۔ امام زفرؒ کی رائے کی روشنی میں نقدی وقف کو مائیکرو فنانس کا ذریعہ بتایا گیا ہے، اور حصص و حقوقِ دانش جیسے نئے اثاثوں کو بھی وقف کے دائرے میں شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح، تحقیق میں ہبہ کے اصولوں کا اطلاق کرتے ہوئے انسانی اعضاء کے عطیہ جیسے حساس مسئلے کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ تکنیکی طور پر 'ہبہ' نہیں بلکہ 'ایثار' کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جس کا جواز 'حفظِ نفس' (جان کی حفاظت) کے اعلیٰ شرعی مقصد کے تحت فراہم کیا جاتا ہے۔ مزید برآں، کارپوریٹ وقف اور وقف کی سرمایہ کاری کے جدید طریقوں کو شرعی تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ تحقیق کے نتائج یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ فقہی ادارے نہ صرف مالیاتی و سماجی فلاح کے مؤثر ذرائع ہیں بلکہ انہیں عالمی انسانی امداد، ماحولیاتی تحفظ اور سائنسی تحقیق جیسے وسیع مقاصد کے لیے بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

[1] عبد الغني بن طالب، الميداني الحنفي، اللباب في شرح الكتاب، (بيروت: المكتبة العلمية، س ن) 2/171

[2] ۔ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند، الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، (بيروت: دار الفكر، 1411ھ)4/374

[3] ۔ زكريا بن محمد، السنيكي، فتح الوهاب بشرح منهج الطلاب، (بيروت: دار الفكر للطباعة والنشر، 1414ھ) 1/311

[4] ۔ خليل بن إسحاق، الجندي المالكي، مختصر العلامة خليل، (القاهرة: دار الحديث، 1426ھ)ص:214

[5] ۔ عبد الله بن أحمد، ابن قدامه، الكافي في فقه الإمام أحمد، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1414ھ)، 2/259

[6] ۔ أبو بكر بن مسعود، الكاساني، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1406ھ)، 6/124

[7] ۔ يحيى بن أبي الخير بن سالم، اليمني الشافعي، البيان في مذهب الإمام الشافعي، (جده: دار المنهاج، 1421ھ) 8/124

[8] ۔ محمد بن أحمد بن محمد، ابن رشد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، (القاهرة: دار الحديث، 1425ھ)1/663

[9] ۔ أحمد بن محمد، ابن أسد الشيباني، مسائل الإمام أحمد بن حنبل، (الهند: الدار العلمية، س ن)، 2/268

[10] ۔ أبو بكر بن مسعود، الكاساني، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، 6/124

[11] ۔ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، ابن رشد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، 1/663

[12] ۔ منصور بن يونس، البهوتي الحنبلي، كشاف القناع عن متن الإقناع، (بيروت: دار الكتب العلمية، س ن)، 4/400

[13] ۔ ابن مَازَةَ البخاري، محمود بن أحمد، المحيط البرهاني في الفقه النعماني، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1424ھ)1/155

[14] ۔ محمد بن أحمد، ابن جزي الكلبي، القوانين الفقهية، (طبع ندارد)ص:241

[15] ۔ عبد الغني الغنيمي، الميدانی، اللباب في شرح الكتاب، 2/255

[16] ۔ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند، الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، 4/374

[17] ۔ يحيى بن شرف، النووي، روضة الطالبين وعمدة المفتين، (بيروت: المكتب الإسلامي، 1412ھ) 5/364

[18] ۔ محمد بن يوسف بن أبي القاسم، المواق المالكي، التاج والإكليل لمختصر خليل (بيروت: دار الكتب العلمية، 1416ھ)8/3

[19] ۔ القرآن 17: 70

[20] ۔ مفتی محمد شفیع، اعضاء کی پیوند کاری، (کراچی: دار الاشاعت 1387ھ)، ص:13

[21] ۔ علي بن الحسين، السغدی، النتف في الفتاوى، (بيروت: مؤسسة الرسالة، 1404ھ) 1/516

[22] ۔ محمد بن عبد الواحد، ابن الهمام، فتح القدير، (بيروت: دار الفكر، س ن)6/200

[23] ۔ محمد بن عبد الواحد، ابن الهمام، فتح القدير، 6/200

[24] ۔ عبد الله بن أحمد، ابن قدامه، الكافي في فقه الإمام أحمد، 2/250

[25] ۔ محمد بن يوسف، المواق المالكي، التاج والإكليل لمختصر خليل، 7/626

[26] ۔ علي بن أبي بكر، المرغيناني، الهداية في شرح بداية المبتدي، (بيروت: دار احياء التراث العربي، س ن)3/15

[27] ۔ يحيى بن أبي الخير، اليمني الشافعي، البيان في مذهب الإمام الشافعي، 8/58

[28] ۔ محمد بن عبد الله، الخرشي، شرح مختصر خليل للخرشي، (بيروت: دار الفكر للطباعة، س ن)7/85

[29] ۔ عبد الله بن احمد، ابن قدامه، الكافي في فقه الإمام أحمد، 2/254

[30] ۔ عبد الرحمن بن محمد، داماد أفندي، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، س ن)1/735

[31] ۔ أحمد بن محمد الخلوتي، الصاوی، بلغة السالك لأقرب المسالك، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1415ھ)4/123

[32] ۔ زين الدين بن إبراهيم، ابن نجيم، (بيروت: دار الكتاب الإسلامي، س ن)، 5/223

[33] ۔ عبد الكريم بن محمد، الرافعي، العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1417ھ)6/250

[34] ۔ مصطفٰی احمد الزرقاء، المدخل الفقهي العام، جلد ۲ (دمشق: دار القلم، 2004ء)2/ 255-243

[35] ۔ يحيى بن أبي الخير، اليمنی، البيان في مذهب الإمام الشافعي، 8/63